مولانا وحید الزمان قاسمی نے تحریر فرمایا ہے کہ تقوی اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اور ممنوعات سے اجتناب خدا کی اطاعت کے ذریعہ اس کی سزا سے احتراز کو کہتے ہیں۔(۱۲)

تقویٰ کے مفہوم کے بارے میں حضرت ابی بن کعبؓ سے حضرت عمرؓ نے پوچھا تھا کہ تقویٰ کیا ہے؟ حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ اے امیر المومنین کبھی آپ کا ایسے راستہ پر گزر ہوا ہے جو کانٹوں سے پر ہو، حضرت عمرؓ نے فرمایا کئی بار ہوا ہے حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا ایسے موقع پر آپ نے کیا کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دامن سمیٹ لیے اور نہایت احتیاط سے چلا، حضرت ابی بن کعب نے فرمایا کہ بس تقویٰ اسی کا نام ہے۔(۱۳)

پس تقویٰ کا عام مفہوم یہ ہے کہ جن کاموں کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس کو پورا کرنا اور جن کاموں سے منع فرمایا ہے اس سے بچنا۔

مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ یہ دنیا ایک خارستان ہے، گناہوں کے کانٹوں سے بھری پڑی ہے اس لیے دنیا میں اس طرح چلنا اور زندگی گزارنا چاہیے کہ دامن گناہوں سے نہ الجھے اسی کا نام تقویٰ ہے۔(۱۴)

درجہ بالا تصریحات کو دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ تقویٰ دراصل کسی خاص وضع قطع، شکل وصورت یا ہیئت بنانے یا کسی خاص طرز زندگی اختیار کرنے کا نام نہیں بلکہ حقیقت میں تقویٰ نفس انسانی کی اس کیفیت کا نام ہے جو فرض شناسی، خدا ترسی اور احساس ذمہ داری سے پیدا ہوتی ہے اور زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہوتی ہے۔ حقیقتاً تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ انسان کے دل میں خدا کا خوف اور اس کی بندگی کا احساس ہو۔ اور یہ بات ہر وقت اس کے ذہن میں موجزن ہو کہ میری دنیاوی زندگی کے پورے پورے اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے ہیں اور مجھے ان کا جواب دینا ہے اس لیے وہ ہر اس کام سے باز رہے جسے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور ہر اس کے لیے تیار رہے جس کے کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

لفظ تقویٰ کی لغوی اور اصطلاحی توضیحات کو دیکھتے ہوئے ہم یہ نتیجہ بھی اخذ کر سکتے ہیں کہ اصطلاحی لحاظ سے تقوی کے دو مفہوم ہیں۔ ایک خاص مفہوم اور ایک عام مفہوم۔

## خاص مفہوم:

ممنوع چیزوں سے بچ کر رہنا، بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ کے خوف سے اپنی حدود کے اندر رہنا یہ تقویٰ کا خاص مفہوم ہے۔

## عام مفہوم:

چونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی دو قسمیں ہے یعنی اوامر اور نواہی، اوامر سے مراد وہ امور یا اعمال جن کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور نواہی سے مراد وہ اعمال وافعال جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے پس تقوی کا عام مفہوم صرف نواہی تک محدود نہیں بلکہ اوامر کو بھی محیط ہے۔

## تقویٰ کے مراتب:

تقویٰ کے مختلف درجات علماء نے بیان فرمائے ہیں امام بیضاوی نے اپنی تفسیر میں درج ذیل تین درجے بتائے ہیں:

۱) جہنم سے ڈر کر اپنا دامن شرک سے پاک رکھنا ۲) ہر اُس عمل سے بچنا جس میں گناہ ہو

۳) ہر اس چیز سے پرہیز کرنا جو حق سے غافل کر دے اور ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل بستگی رکھنا(۱۵)

## تقویٰ کا ادنیٰ درجہ:

تقویٰ کا پہلا درجہ ادنیٰ درجہ ہے کہ حصول تقویٰ کے لیے ضروری ہے کہ کم از کم انسان اپنے خالق و مالک کا دل و زبان سے اقرار کرے اور صرف اسی کو بندگی کے لائق سمجھے اس کی وحدانیت پر یقین محکم ہو اور اس کے ساتھ کسی قسم کے شرک کا شائبہ تک دل میں نہ لائے قرآن کریم میں اس بارے میں بے شمار ہدایات موجود ہیں۔اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و ربوبیت اور شرک کی قباحت اور اس سے بچنے کے لیے چند آیات نمونے کے طور پر درج کی جاتی ہیں۔

۱) وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ(۱۶)۔''اور تمہارا معبود خدائے واحد ہے اس کے سوا کوئی عبادت (بندگی) کے لائق نہیں۔''

۲) اِنَّمَا اللّٰہُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ(۱۷)۔''بیشک اللہ ہی معبود واحد (ایک) ہے۔''

۳) وَ مَآ اُمِرُوْٓ اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓ اِلٰھًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ.(۱۸)

''ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

۴) وَ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًا.(۱۹)

''اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا وہ بڑے گناہ کا مرتکب ہوا۔''

۵) اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ(۲۰)۔''بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

۶) مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ.(۲۱)

''جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے پس تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے۔''

## تقویٰ کا اوسط درجہ:

تقویٰ کا دوسرا درجہ اوسط درجہ ہے۔یعنی ہر اس چیز کو چھوڑ دینا، جس پر عمل کر کے انسان گنہگار بنتا ہے اس لیے صغائر سے بھی بچنے کی کوشش کرنا اور کبائر (بڑے گناہ) سے بالکل اجتناب ہو۔

عام طور پر اسی کو تقویٰ کہا جاتا ہے۔سورۃ الاعراف میں تقویٰ کے اس درجہ کی طرف اشارہ ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْقُرٰٓی اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْھِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَ لٰکِنْ کَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰھُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ.(۲۲)

''اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ایمان (تقویٰ کا ادنی درجہ) یعنی کبیرہ وصغیرہ گناہوں سے بچنا (تقویٰ کا اوسط درجہ) ایسی چیز ہے کہ جس بستی کے لوگ اسے اپنا لیں تو ان پر اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے اور خوشحالی ان کا مقدر بن جاتی ہے لیکن اس کے برعکس تکذیب اور نافرمانی اور گناہوں کا راستہ اختیار کرنے پر قومیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کی مستحق ٹھہر جاتی ہیں۔

## تقویٰ کا اعلیٰ درجہ:

تقویٰ کا تیسرا درجہ تقویٰ کا اعلیٰ درجہ ہے کہ انسان دل کی کیفیت ایسی ہوجائے کہ غیر اللہ سے پاک ہو اور اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والی ہر چیز سے لاتعلقی اختیار کرے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے اس درجہ کے بارے میں حکم دیا ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (۲۳)۔ ”اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو جتنا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔“

آیت کریمہ میں مذکور تقویٰ کا درجہ اعلیٰ درجہ کا تقویٰ ہے۔ مفتی محمد شفیعؒ تحریر فرماتے ہیں کہ تقویٰ کا یہ اعلیٰ مقام انبیاء علیہم السلام اور ان کے خاص نائبین و اولیا اللہ کو نصیب ہوتا ہے کہ اپنے قلب کو غیر اللہ سے بچانا اور اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی رضا جوئی سے معمور رکھنا ہے (۲۴)۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، ربیعؒ، قتادہؒ اور حسن بصریؒ وغیرہ سے یہ منقول ہے جو مرفوعاً خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہے۔

حَقَّ تُقَاتِهٖ هُوَ اَنْ يُّطَاعَ فَلَا يُعْصٰى وَ يُذْكَرَ فَلَا يُنْسٰى وَ يُشْكَرَ فَلَا يُكْفَرَ

”حق تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہر کام میں کی جائے کوئی کام اطاعت کے خلاف نہ ہو اور اس کو ہمیشہ یاد رکھیں اور کبھی نہ بھولیں اور اس کا شکر ہمیشہ ادا کریں کبھی ناشکری نہ کریں۔“ (۲۵)

بعض دوسرے مفسرین نے "حق تقاتہ" کے مضمون کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ حق تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی کی ملامت اور برائی کی پرواہ نہ کرے اور ہمیشہ انصاف پر قائم رہے اگرچہ انصاف کرنے میں خود اپنے نفس یا اپنی اولاد یا ماں باپ ہی کا نقصان ہوتا ہو۔ اور بعض نے فرمایا کہ کوئی اس وقت تک حق تقویٰ ادا نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ اپنی زبان کو محفوظ نہ رکھے۔ (۲۶)

## تقویٰ ذریعہ تحفظ حقوق انسانی:

تقویٰ انسانی شخصیت کی تشکیل وتعمیر میں بنیادی اور مرکزی حیثیت رکھتا ہے اگر معاشرے کے افراد میں صفت تقویٰ یعنی خوف خدا پیدا ہوجائے تو حقوق انسانی کے تحفظ کے سلسلے میں یہ ایک اہم اور قوی محرک ہے اور بڑا مؤثر کردار ادا کرتا ہے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی تنفیذ ریاست کی انتظامیہ کرتی ہے اور اس پر عمل درآمد کرانے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ لیکن خالق کائنات کی طرف سے انسانوں کے لیے منتخب شدہ ضابطہ زندگی پر عمل درآمد کرانے کا ذمہ دار انسان کے دل میں موجود

اللہ تعالیٰ کا خوف یعنی تقویٰ ہے۔اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا شدہ ضابطہ حیات میں حقوق العباد یعنی بندوں کے حقوق کی ادائیگی پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے اور ان مقامات پر جہاں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دیکھنے والا نہ ہو وہاں ایک انسان کے دل میں جو خوف خدا (تقویٰ) موجزن ہوتا ہے وہ اسے حقوق انسانی کی ادائیگی واحترام پر مجبور کرنے والا ہوتا ہے۔

جس انسان کے دل میں حاکم اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) کا خوف موجزن نہ ہو اس سے دنیا میں دوسروں کے حقوق کے احترام اور تحفظ کی امید کیونکر ہوسکتی ہے۔کیونکہ معاشرے کی گرفت اور شرم وحیا اور حکومت کے قانون سے بچنے کے لیے ہزاروں راستے ڈھونڈ لیتے ہیں انسانی زندگی کی کامیابی، انسانی معاشرہ کے سکون وراحت اور ان کے حقوق کی حفاظت کا راز اللہ تعالیٰ کے احکامات ماننے میں پوشیدہ ہے اس لیے انسان کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کا محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر انسان تب کامیابی سے عمل پیرا ہوسکتا ہے جب اس کے دل میں تقویٰ (اللہ تعالیٰ کا خوف) موجود ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے دلوں میں تقویٰ پیدا کرنے کے لیے قرآن حکیم میں مختلف پیرائے استعمال کیے ہیں اور اس بات کی تلقین پر زور دیا ہے کہ مجھ ہی سے ڈرو۔

اَنْـذِرُوْا اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ (۲۷)۔''ان کو ڈراؤ، خبردار کردو کہ میرے سوا کسی کی بندگی نہیں، مجھ سے ہی ڈرو۔''

وَاِيَّایَ فَارْهَبُوْنَ(۲۸)۔''اور مجھ ہی سے ڈرو۔''

اَنَارَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنَ(۲۹)۔''میں تمھارا رب ہوں سو مجھ سے ڈرتے رہو۔''

قرآن پاک میں جہاں انسانوں اور خصوصاً ایمان کا دعویٰ رکھنے والوں کو خوف خداوندی دل میں بٹھانے اور تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین وتاکید فرمائی ہے۔وہاں غیر اللہ کا خوف بھی دل سے نکال دینے کا درس دیا ہے کیونکہ اللہ کی ربوبیت اور حاکمیت کا تقاضا یہی ہے کہ اس کے بندے کے دل میں کسی اور کا خوف موجود نہ ہو جب حاکم مطلق صرف اللہ اور صرف اللہ ہے۔زمین وآسمان کی بادشاہی اسی کے شایان شان ہے اور اس کی عبادت بھی اس لیے لازم ہے پھر اس کے سوا کسی اور سے ڈرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَهٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِباً أَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ.(۳۰)

''اور جو کچھ زمین وآسمانوں میں ہیں اسی کا ہے اور ہمیشہ اس کی عبادت ہے تو تم اللہ کے سوا دوسروں سے ڈرتے ہو؟''

قرآن مجید میں جو تمام انسانیت کے لیے راہ ہدایت ہے چاہتا ہے کہ سارے کے سارے انسان اور خاص کر وہ لوگ جو ایمان کے دعویدار ہیں اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے راستے کے مطابق اور اسی کی قائم کردہ حدود کے اندر اپنی زندگیاں گزاریں۔ان میں صداقت ہو، پاکبازی ہو ان کے اخلاق واعمال منکرات اور ناپسندیدہ باتوں سے محفوظ ہوں۔

ظاہر ہے کہ جب ایک انسان کی زندگی اس طور پر بنے گی تو اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ محفوظ ہوں گے اور ایک دوسرے کے حقوق غصب کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

اسی بنا پر اللہ نے خوف خداوندی اور تقویٰ کو مومنین کی صفات میں شمار کیا ہے اور جہاں قرآن پاک، مومنوں کے اوصاف میں اللہ تعالیٰ سے ان کی والہانہ محبت کا ذکر کرتا ہے وہاں ان کے خوف وخشیت کا ذکر بھی کرتا ہے۔

هُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُوْنَ(۳۱)۔''اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔''

قرآن پاک نے تقویٰ کو مومنوں کا صرف وصف ہی نہیں بتایا ہے بلکہ اس کے بغیر انسان کا ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔ جس انسان کے دل میں خوف الٰہی موجود نہ ہو وہ بڑے سے بڑے گناہ کا مرتکب ہوسکتا ہے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین معاشرے کی تنظیم میں کسی حد تک مددگار ثابت ہوسکتے ہیں اور تعزیرات کی وجہ سے کسی حد تک معاشرہ فتنہ وفساد سے محفوظ بھی رہ سکتا ہے۔لیکن ان قوانین کی موجودگی میں جرائم نہ صرف سرزد ہوتے ہیں۔ بلکہ آج کی دنیا میں ہر طرح کی بے راہ روی اور لاقانونیت میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے کیونکہ ایک ایسا مقام جہاں کوئی نہ ہو، قانون کی خلاف ورزی کرنے والا بلا روک ٹوک قانون کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے اور قانون کی گرفت سے بھی محفوظ رہتا ہے لیکن احکم الحاکمین تو ہر جگہ موجود ہے کوئی جگہ اس سے خالی یا مخفی نہیں ہوسکتی۔اس لیے اس سے ڈرنے کو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے اور خوف الٰہی کے بغیر ایمان نامکمل ہونا قرار دیا گیا ہے۔

وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ(۳۲)۔''اور مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔''

قرآن پاک میں جہاں تقویٰ پر زور دیا گیا ہے وہاں متقی لوگوں کے لیے بہت اجر وثواب کا ذکر کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ.(۳۳)

''جو کوئی اپنا اقرار پورا کریں اور وہ پرہیزگار ہے تو اللہ تعالیٰ کو پرہیزگاروں سے محبت ہے۔''

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىo فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى.(۳۴)

''اور جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے دل کو خواہش سے روکا سو اس کا ٹھکانہ بہشت ہے۔''

وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (۳۵)۔''اور زادراہ لے لیا کرو کہ بے شک بہترین زادراہ تقویٰ ہے۔''

بنی نوع انسان کی تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ جس انسان کے دل میں تقویٰ موجزن ہو وہ کبھی بھی کسی انسان کا حق غصب کرنے کی جرات نہیں کرسکتا۔ بلکہ وہ اپنا حق کو تو قربان کرسکتا ہے لیکن دوسرے انسان کے حق کی پامالی کے لیے

تیار نہیں ہوتا۔ چنانچہ قرآنی تصریحات کے مطابق انسان اول حضرت آدم علیہ اسلام کی زندگی ہی میں جب ان کے دو بیٹوں (ہابیل و قابیل) کے درمیان حق کا پہلا مسئلہ پیدا ہوا اور قابیل نے ہابیل کو اپنے حق سے محروم کرنے کے لیے اسے قتل کی دھمکی دی۔ قتل کی دھمکی کے جواب میں ہابیل نے قابیل کو یہ جواب نہیں دیا کہ میں اپنی مدافعت میں تجھے قتل کر دینے کی کوشش کروں گا بلکہ فرمایا۔

لَئِنْ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَکَ لِتَقْتُلَنِیْ مَا اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْکَ لِاَقْتُلَکَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ. (۳۶)

''اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا میں رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔''

آیت کریمہ میں ہابیل کے الفاظ سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ ہابیل نے محض خوف الٰہی کی بناء پر اپنی جان تو دے دی مگر اپنے بھائی کو حق زندگی سے محروم کر دینے کے لیے اپنا ہاتھ تک دراز نہیں کیا۔ ہاتھ دراز نہ کرنا کمزوری کی وجہ سے نہیں تھا کہ ہابیل قابیل سے طاقت وقوت میں کمزور تھا اور وہ اپنی مدافعت کی صورت میں قابیل کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ تفسیر قادری اور تفسیر ابن کثیر میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ سب اہل علم کے ہاں ہابیل، قابیل سے بہت قوی اور صاحب شوکت تھا مگر خوف خدا کی وجہ سے اس نے قابیل کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ (۳۷)

صفت تقویٰ کا نتیجہ تھا کہ ایک دفعہ ایک ملکہ کا سونے کا کنگن گم ہو گیا وزیر اعظم نے ہر شہر اور گاؤں میں منادی کروائی کہ اگر کوئی ایک مہینے کے اندر ملکہ کا کنگن واپس کر دے تو اس کو انعام دیا جائے گا۔ اور اگر ایک ماہ کے بعد کسی سے وہ کنگن ملا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اس منادی کے دوسرے دن ربی ابی سموئیل کو وہ کنگن مل گیا لیکن ربی (مذہبی پیشوا) نے یہ کنگن فوراً واپس نہیں کیا بلکہ ایک ماہ گزرنے کے بعد واپس کیا اور ملکہ کے محل میں جا کر بتایا کہ مجھے یہ کنگن ایک ماہ پہلے ملا تھا۔ لیکن اگر میں اسی وقت واپس کرتا تو لوگ یہ سمجھتے کہ میں نے انعام کے لالچ اور تمہارے ڈر کی وجہ سے واپس کیا ہے اور اب میں اس لیے واپس کر رہا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ (۳۸)

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ خلافت راشدہ میں لوگ خوش تھے امن وامان تھا اور لوگ سکون کی زندگی بسر کر رہے تھے ان کے حقوق غاصبوں کے ہاتھوں سے محفوظ تھے اس کی سب سے بڑی وجہ خلفاء کا خوف الٰہی تھا۔ اسی خوف الٰہی ہی کا اثر تھا کہ جب اسلام کے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق مرض الوفات میں مبتلا ہوئے تو وصیت فرمائی کہ زمانہ خلافت میں جو وظیفہ میں نے مسلمانوں کے بیت المال سے لیا تھا اس کی رقم واپس کر دی جائے صرف یہی نہیں بلکہ اپنی بیٹی ام المومنین حضرت عائشہؓ سے یہ بھی فرمایا تھا کہ جب میں وفات پا جاؤں تو مسلمانوں کے برتن، ان کا غلام، ان کی اونٹنی، ان کی چکیاں، ان کی وہ چادریں جو میں نے اوڑھنے بچھانے کے لیے لی تھیں واپس کر دی جائیں۔ (۳۹)

جب معاشرے کے افراد کے دل تقویٰ کی صفت سے معمور تھے۔تو حضرت عمرؓ خلافت صدیقی میں پورے دو سال عہدہ قضا پر فائز رہے مگر ان کی عدالت میں کوئی ایک بھی مدعی حقوق کا دعویٰ لیکر نہیں آیا۔(۴۰)

حضرت عمر کی عدالت میں کوئی مقدمہ کیونکر دائر نہیں ہوا کیونکہ معاشرے کا ہر فرد جو جس مقام اور حیثیت کا تھا اپنے فرائض کو خوش اسلوبی سے پورا کر رہا تھا تو حقوق کا سرے سے کوئی مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوا کہ عمرؓ کی عدالت میں جاتا۔

حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں ایک رات گشت کر رہے تھے ان کا غلام بھی ساتھ ایک خیمہ پر سے گزر ہوا، دیکھا کہ ایک بڑھیا ہانڈی میں کچھ پکا رہی ہے اور چند بچے اسے دائرے میں لیے بیٹھے ہیں اور رو رہے ہیں۔حضرت عمرؓ نے رونے کا سبب پوچھا، بڑھیا نے بتایا یہ بھوکے ہیں اس وجہ سے روتے ہیں۔آپؓ نے پوچھا ہانڈی میں کیا پک رہا ہے؟ کہا کچھ نہیں صرف بچوں کو بہلانے کے لیے پانی چڑھا دیا ہے تا کہ کسی طرح سو جائیں حضرت عمرؓ یہ سن کر کانپ اٹھے آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔اسلم (غلام) ساتھ تھا۔شہر لوٹے بیت المال کا دروازہ کھولا کچھ آٹا، گھی، روغن، چھوہارے لئے، اور اسلم (غلام) سے فرمایا۔اے اسلم ان سب چیزوں کو میری پیٹھ پر لاد دے۔اسلم نے کہا کہ اے امیر المومنین میری پیٹھ پر رکھ دیں تا کہ میں لے چلوں آپؓ نے فرمایا باز پرس تو مجھ ہی سے ہوگی۔اس لیے میں لے چلونگا۔الغرض اپنی پیٹھ پر لاد کر اس عورت کے خیمے تک لے گئے اور وہاں خود کھانا پکایا اور بچوں کو کھلایا۔(۴۱)

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں تقویٰ کی صفت سے مالا مال ایک لڑکی کو رات کی تاریکی میں اور گھر کی چار دیواری کے اندر والدہ نے فہمائش کی کہ دودھ میں پانی ملا دے تو لڑکی نے جواب دیا کہ حضرت عمرؓ نے منع فرمایا اور حکم دیا ہے کہ کوئی بھی دودھ میں پانی نہ ملائیں۔ماں بولی کہ رات کی تاریکی میں اور گھر کی چار دیواری میں تو عمرؓ نہیں دیکھ رہے ہیں تو لڑکی نے جواب دیا کہ اگر عمرؓ نہیں دیکھ رہے ہیں، لیکن اللہ تو دیکھ رہا ہے۔(۴۲)

اس قسم کے واقعات سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے۔

## خلاصہ:

تقویٰ ایک ایسی بہترین وصف ہے کہ معاشرے کے جس فرد میں موجود ہو تو کسی صورت میں بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف اسے جانے کی اجازت نہیں دیتا۔پھر حقوق العباد پورا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دے رکھا ہے۔تقویٰ ایک ایسا داخلی محتسب ہے جو ہر وقت انسان کے ذہن و قلب میں جاگزین رہتا ہے اس کے ہوتے ہوئے کوئی شخص کسی خفیہ مقام پر انتہائی علیحدگی میں بھی جہاں ظاہری طور پر کوئی نہ ہو وہ انسانی حقوق کی پامالی کی جرات نہیں کر سکتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو میرے ظاہری و باطنی خفیہ و علانیہ امور کا علم ہے اور میرا کوئی عمل اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں۔لہٰذا معاشرے کے افراد میں اس طاقت ور داخلی محتسب کے ہوتے ہوئے حقوقِ انسانی کی پامالی اور غصب کا خطرہ درپیش نہیں ہو سکتا۔

## مراجع وحواشی


(۱) اشفاق احمد وغیرہ،ہفت زبانی لغت،ص۹۷،طبع دوم لاہور اردو سائنس بورڈ ۱۹۸۸ء

(۲) الف) مرزا ابوالفضل،غریب القران فی لغات الفرقان،ص۴۱۵،لاہور قانونی کتب خانہ س ن

ب) وحیدالزمان مولانا،القاموس الوحید،ص۱۸۱۸،کراچی ادارہ اسلامیات،۲۰۰۱ء

ج) بلیاوی ابوالفضل عبدالحفیظ مولانا،مصباح اللغات،ص۹۶۲،کراچی ایچ ایم سعید کمپنی ۱۹۷۳ء۔

(۳) الف) وحیدالزمان القاموس الوحید،ص،۱۸۸۹

(۴) نعمانی عبدالرشید مولانا،لغات القران،ج۲،ص۱۷۰،۱۷۱،کراچی دارالشاعت،۱۹۹۴ء

(۵) الف) سید سبط حسین،احمد ندیم قاسمی وغیرہ زیرنگرانی عبدالسلام،اردو انسائیکلوپیڈیا،ص۳۲۵ایڈیشن سوم،لاہور فیروز سنز،۱۹۸۴ء

(ب) وارث سرہندی،علمی اردو لغت،ص۴۵۸،لاہور علمی کتب خانہ،۱۹۹۳ء

(۶) محمد شفیع،مفتی مولانا،معارف القران،ج۲،ص۱۲۷،کراچی ادارۃ المعارف ۱۹۷۹ء

(۷) ابن منظور ابوالفضل جمال الدین ابن مکرم،لسان العرب،ج۱،ص۳۲۴ایڈیشن دوم،بیروت دار اللسان العرب،۱۹۷۰ء

(۸) بلندشہری مولانا عاشق الٰہی،انوار البیان فی کشف اسرار القران،ج۱،ص۳۱۳،طبع اول،ملتان ادارہ تالیفات اشرفیہ،۱۹۹۲ء

(۹) بلیاوی ابوالفضل مولانا عبدالحفیظ،مصباح اللغات،ص۹۶۲

(۱۰) زمخشری،ابوالقاسم محمد بن عمر،الکشف القران،ج۱،ص۲۰،کلکتہ،۱۸۵۶ء

(۱۱) نعمانی عبدالرشید،لغات القران ج۲،ص۱۷۱ (۱۲) وحیدالزمان،القاموس الوحید،ص۱۸۸۹

(۱۳) محمد شفیع،معارف القران،ج۲،ص۱۴۲ (۱۴) محمد شفیع معارف القران،ج۲،ص۲۴۱،۲۴۲

(۱۵) نوری محمد خان،انوار البیضاوی ترجمہ وتفسیر تفسیر بیضاوی سورۃ البقرۃ،ص۵۰،۵۱،لاہور مکتبہ زاویہ ۲۰۰۲ء

(۱۶) القران الحکیم،سورۃ البقرہ،۱۶۳ (۱۷) سورۃ النساء،۱۷۱ (۱۸) سورۃ التوبۃ ۳۱ (۱۹) سورۃ النساء،۴۸

(۲۰) سورۃ لقمان،۱۳ (۲۱) سورۃ المائدہ،۷۶ (۲۲) سورۃ الاعراف،۹۶ (۲۳) سورۃ ال عمران،۱۰۲

(۲۴) محمد شفیع،معارف القران،ج۲،ص۱۲۷ (۲۵) الف) محمد شفیع،معارف القران،ج۲،ص۱۲۷

ب) صدیقی،مولانا محمد حسین،روضۃ الصالحین اردو شرح ریاض الصالحین،ج۱،ص۲۳۴،کراچی،زمرم پبلشرز،۲۰۰۲ء

(۲۶) ایضاً (۲۷) سورۃ النحل،۲ (۲۸) سورۃ البقرۃ،۴۱ (۲۹) سورۃ المومنون،۵۲

(۳۰) سورۃ النحل،۵۲ (۳۱) سورۃ الانبیاء،۲۸ (۳۲) سورۃ ال عمران،۷۶ (۳۳) سورۃ النّٰزعٰت،۴۰،۴۱

(۳۴) سورۃ البقرہ،۱۹۷ (۳۵) سورۃ القصص،۲۹

(۳۶) الف) فخرالدین،مولوی،قادری،تفسیر قادری،ج۱،ص۲۲۲لکھنو مطبع ضیائی صفائی (انطباع)،۱۸۸۷ء

ب) ابن کثیر،اسماعیل،تاریخ ابن کثیر (ترجمہ محمد اصغر مغل)،ج۱،ص،۱۴۰،کراچی،دارالاشاعت،۲۰۰۲ء

(۳۷) رابرٹ وین ڈی دیئر،یہودیت ترجمہ ملک اشفاق،ص۱۷۵،۱۷۶،لاہور بک ہوم،۲۰۰۲ء

(۳۸) طبری،محمد بن حریر،تاریخ طبری ترجمہ محمد ابراھیم،ج۲،ص۲۵۶،دکن حیدرآباد دارالطبع،جامعہ عثمانیہ،۱۹۳۲ء

(۳۹) طبری،تاریخ طبری،ج۱،جز۳،ص،۲۴۵ (۴۰) طبری،،تاریخ طبری،ج۲،ص،۲۵۱

# اسلامی ریاست کے اہم ذرائع آمدن

عمران الحق کلیانوی*

**ABSTRACT:**

*Well-being of any country depends on its economic system. As the economy establishes, it brings advancement and prosperity. Islam mentions different sources to generate revenue which plays a vital role in the betterment of state and condemns usury. It is the income which is gained collectively by the Islamic state or individually by its citizens. Such as: Zakat, Fitra, Inheritance, Charity, etc are the different sources of income of the Islamic state. In this way Islam provides a compact way of distribution of wealth that boosts up the economy and creates a vigorous society.*

*In this article different sources of income of the Islamic state has been discussed.*

ایک کامیاب اسلامی ریاست کے قیام کے بعد اس کی بقا کے لیے اسلامی تعلیمات میں جو ذرائع آمدن حلال اور جائز قرار دیے گئے ہیں وہ اتنے ہیں کہ اگر وہ فی الواقع اطلاقی اور عملی طور پر نافذ ہو جائیں تو مسلم ریاست سود سے پاک معاشی استحکام کے ذریعے ترقی کی منازل طے کر کے اپنی رعایا کو خوشحال اور اسلامی تعلیمات کے مطابق آسودہ زندگی فراہم کر سکتی ہے۔ ذرائع آمدن کے لفظ کو عموماً زکوۃ، خیرات اور عطیات تک محدود سمجھا جاتا ہے جبکہ حقیقت میں ذرائع آمدن کا مطالعہ کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا ذرائع کے علاوہ بھی کافی دیگر ذرائع آمدن بھی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے کہ زکوۃ اموال ظاہرہ، اموال باطنہ، اموال فاضلہ، عشر، سبزی کا عشر، پھلوں کا عشر، کفارات، صدقات نافلہ، اوقاف، وصیت، میراث، ودیعت، ھبہ، قرض حسنہ یہ چند اہم اور تفصیل طلب ذرائع آمدن ہیں جو کہ اسلامی ریاست کے معاشی استحکام کے لیے از حد ضروری ہیں۔

## اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ:

ظاہرہ کے لفظ سے بھی ظاہر ہے کہ مسلم رعایا کا وہ مال فقہاء اسلام کی نظر میں اموال ظاہرہ میں شمار ہوتا ہے جو عام طور پر مفت چراگاہوں میں چرنے والے مویشیوں، کھیتوں اور باغات کی پیداوار پر مشتمل ہو یا اس مال تجارت کو جو شہر سے باہر لے جایا جا رہا ہو اموال ظاہرہ میں شمار کیا ہے اور نقدی، زیورات وغیرہ باقی تمام قابل زکوۃ اموال کو اموال باطنہ قرار دیا ہے۔(۱)

چنانچہ علامہ کاسانیؒ بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں:

**فمال زكوة نوعان ظاهر و هو المواشي والمال الذي يمر به التاجر علىٰ العاشر و باطن و هو الذهب والفضة و اموال التجارة في مواضها(۲)**

* ڈاکٹر، مفتی، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ القرآن والسنۃ، کلیہ معارفِ اسلامیہ، جامعہ کراچی برقی پتا: imran_haqe@gmail.com

تاریخِ موصولہ: ۱۱مارچ ۲۰۱۲ء

دراصل عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخینؓ کے ادوار تک تو اموال ظاہرہ و باطنہ کی کوئی تفریق نہیں تھی ہر قسم کے اموال کی زکوۃ کی وصولی حکومت اسلامیہ کا حق سمجھی جاتی تھی لیکن خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت تک سلطنتِ اسلامیہ کو کافی وسعت حاصل ہو چکی تھی اور قابل زکوۃ اموال کی کثرت کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ اگر عاملین زکوۃ کو لوگوں کے گھروں اور دکانوں میں پہنچ کر ان کی املاک کی چھان بین کی اجازت دی جائے تو اس سے عوام الناس کو نہ صرف یہ کہ تکلیف ہوگی بلکہ ان کے مکانات، دکانوں، گوداموں اور محفوظ شخصی مقامات کی نجی حیثیت بھی مجروح ہوگی تو آپؓ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ صرف ان اموال کی زکوۃ حکومت کی سطح پر وصول کی جائے جن کی زکوۃ وصول کرنے میں یہ مضرت لاحق نہ ہو اور جن کے حساب کرنے کے لیے گھروں اور دکانوں کی تلاشی نہ لینی پڑے ایسے اموال اس زمانے میں صرف دو قسم کے تھے یعنی مویشی اور زرعی پیداوار۔ چنانچہ صرف ان کی زکوۃ آپ نے سرکاری سطح پر وصول کرنے کا اعلان فرمایا اور باقی اموال کو اموال باطنہ قرار دے کر ان کی زکوۃ کی ادائیگی خود مالکان کے ذمہ قرار دے دی۔ بعد میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور آیا تو انہوں نے شہروں کے باہر ایسی چوکیاں مقرر فرمادیں کہ جب کوئی شخص مال تجارت لے کر وہاں سے گزرے تو اس سے وہیں زکوۃ وصول کر لی جائے۔ اس موقع پر شہر سے باہر جانے والے مال تجارت کو بھی اموال ظاہرہ شمار کر لیا گیا۔ کیونکہ حکومت کو اس کے وصول کرنے اور اس کے حساب کرنے کے لیے مالکان کے گھروں، دکانوں اور نجی مقامات کی تلاشی کی ضرورت نہیں تھی۔(۳)

چنانچہ ابن الہمام لکھتے ہیں:

**ظاهر قوله تعالٰى. خذ من اموالهم صدقة (الآية) توجب اخذ الزكوٰة مطلقاً للامام و علٰى هٰذا كان رسول اللهؐ والخليفتان بعده، فلما ولّى عثمانؓ و ظهر تفيد الناس كره ان يفتش السعاة علٰى الناس مستور اموالهم، ففوض الدفع الى الملاك نيابة عنه و لم يختلف الصحابة فى ذالك عليه(۴)**

امام ابوبکر جصاص لکھتے ہیں:

**لم يكن جائزاً للسعاة دخول احرازهم ولم يجز ان يكلفوهم احضارها.(۵)**

عبارات بالا کا مفہوم یہی ہے کہ عہد نبویؐ تا عہد شیخینؓ کل مال حکومت کی نظر میں تھا اور زکوۃ کی وصولی حاکم پر واجب تھی لیکن جب حضرت عثمانؓ کے زمانے میں لوگوں کے حالات بدل گئے تو اب مال کی تفتیش کے لیے کارکنان کے لیے مناسب نہیں کہ لوگوں کے اموال مستورہ کا جائزہ لیں اس لیے حاکم کی نیابت کرتے ہوئے خود صاحبِ مال بھی زکوۃ ادا کرے۔

## اموال فاضلہ:

مذکورہ بالا دو قسموں کے علاوہ مال کی ایک قسم "اموال فاضلہ" بھی ہے۔ اموال فاضلہ کی درجہ ذیل اقسام ہیں:

نمبر۱: مسلمان یا ذمی لاوارث کا ترکہ نمبر۲: (العیاذ باللہ) اگر مسلم مرتد ہو جائے تو اس کی جائیداد

نمبر۳: اوقاف　　نمبر۴: حربی کا وہ مال جو مسلمان کو بطور تحفہ دے۔

نمبر۵: ذمیوں کا وہ مال و دولت جسے وہ عقدِ ذمہ توڑ کر اور بھاگ کر جاتے ہوئے چھوڑ جائیں۔

نمبر۶: تاوانِ جنگ　　نمبر۷: معادن کا ۱/۵　　نمبر۸: رکاز، دفینوں کا ۱/۵

نمبر۹: سمندر سے حاصل شدہ پیداوار کا ۱/۵　　نمبر۱۰: مال غنیمت کا ۱/۵

نمبر۱۱: ضوائع اور لقطہ یعنی گرا پڑا مال یا کسی مسلمان کی جائیداد جو لاوارث مر جائے یا صرف بیوی یا صرف خاوند چھوڑ کر مرے۔

## عُشر

اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ میں سرفہرست عشر کو شمار کیا جاتا ہے چنانچہ فقہائے کرامؒ نے زمینی پیداوار کے عشر کو بھی زکوٰۃ ہی کی ایک قسم میں شمار کیا ہے اور اس کے وجوب کے ثبوت کے لیے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت سے استدلال فرمایا ہے:

**یا ایھا الذین آمنوا انفقوا من طیبت ما کسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض**(۶)

''اے ایمان والوں، تم اپنی پاکیزہ کمائی سے خرچ کیا کرو اور اس میں سے جو ہم نے تمھارے لیے زمینی پیداوار نکالی۔''

امام ابوبکر الجصاصؒ کی صراحت کے مطابق اس آیت میں "انفقوا" سے مراد زکوٰۃ کی ادائیگی ہے اور یہ حکم زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ کو بھی شامل ہے۔(۷)

دوسرا استدلال مندرجہ ذیل آیت سے کرتے ہیں۔

**واتوا حقّہ یوم حصادہ**(۸)

''اور تم دے دیا کرو (پیداوار) زمین کا حق کھیتی کاٹنے والے دن۔''

امام قرطبیؒ کے قول کے مطابق آیت مذکورہ میں زمین کی پیداوار یعنی عشر ہی مراد ہے۔ ابوجعفر طبریؒ نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا ہے کہ اس آیت سے مراد زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں ''حقہ'' سے مراد زمینی پیداوار کا عشر اور نصف عشر مراد ہے(۹)۔ اس آیت کی وضاحت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں نقل کی ہے۔

''نبی کریمؐ نے فرمایا کہ جس کھیت کو برساتی پانی وغیرہ سے سیراب کیا جاتا ہو تو اس میں پیداوار کا دسواں حصہ دینا ہوگا اور جس کی کھیتی کو پانی کھینچ کر خود سیراب کیا جائے تو اس میں بیسواں حصہ دینا ہوگا۔''(۱۰)

یہاں یہ فرق ملحوظ رکھا گیا ہے کہ کھیتی کی آبیاری اگر قدرتی ذرائع سے یعنی برسات یا برساتی نالے ندیوں وغیرہ سے ہوگئی ہو تو اس میں پیداوار کا عشر ہے اور اگر سیراب کرنے میں مالک نے اپنی محنت صرف کی ہو، کنواں کھودا ہو یا جدید مشینری کے ذریعہ پانی کی ترسیل کا انتظام کیا ہو تو اس میں نصف العشر ہوگا۔

## سبزی پر عشر

ائمہ ثلاثہؒ اور صاحبینؒ یہ کہتے ہیں کہ ترکاری وغیرہ پر عشر واجب نہیں ان کے نزدیک عشر صرف ان چیزوں پر ہے جو سڑنے والی نہ ہوں ان کے برخلاف امام ابوحنیفہؒ ترکاریوں پر وجوب عشر کے قائل ہیں لیکن امام صاحب کے نزدیک یہ وجوب عشر دیانۃً ہے فیما بینہ وبین اللہ اور عامل کی جانب سے اس کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں ہوگا۔(۱۱)

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابوزفرؒ کے نزدیک کھیتوں کی پیداوار کا کوئی نصاب متعین نہیں بلکہ ہر قلیل وکثیر پیداوار پر عشر واجب ہے۔ جبکہ امام ابو یوسفؒ کی رائے میں جب عشری زمین کی پیداوار پانچ وسق تک پہنچ جائے تب بھی عشر واجب ہے اور بخاریؒ شریف کی ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ آج تک تعامل پانچ وسق والی حدیث پر رہا ہے۔

کھیتوں کی زکوٰۃ ان کی فصل پکنے اور کاشت کے وقت واجب ہوتی ہے مختلف اناج مثلاً گندم، جو، چنا، دھان وغیرہ کو ملا کر ایک نصاب بنایا جاسکتا ہے۔(۱۲)

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر قسم کے پھلوں میں زکوٰۃ واجب ہے جبکہ امام شافعیؒ صرف کھجوروں اور انگوروں میں زکوٰۃ کے وجوب کے قائل ہیں۔(۱۳)

امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ، امام اسحٰقؒ اور اہل کوفہ کے ہاں شہد میں زکوٰۃ واجب ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور بعض محدثین کے نزدیک شہد میں زکوٰۃ واجب نہیں لیکن حضرات کی کوئی دلیل مرفوع حدیث یا کسی صحابی کے اثر سے صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں۔ جبکہ قول اوّل والوں کے پاس احادیث موجود ہیں۔

**عن ابن عمرؓ قال قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم فی العسل فی عشرۃ ازق زق.** (۱۴)

''آپؐ نے فرمایا ہے کہ ہر دس ازق شہد میں ایک زق واجب ہے۔''

''زق'' چمڑے کا ایک خاص پیمانہ یا برتن مراد ہے جو شہد کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

اس حدیث میں اگرچہ کچھ کلام ہے تاہم دیگر روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے جو اس کی شواہد کے طور پر مؤید ہیں۔

ابن ماجہ میں حضرت ابوسیارہؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ:

**قلت یا رسول اللہؐ: ان لی نحلاً قال ادالعشر** (۱۵)

''میں نے کہا کہ یارسول اللہؐ میرے شہد کے چھتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا اس کا عشر دیا کرو۔''

نیز ابن ماجہ ہی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت ہے:

**عن النبیؐ انہ اخذ من العسل العشر** (۱۶)

اسی طرح مصنف عبدالرزاق میں، حضرت سیدنا ابوھریرۃؓ کی روایت میں آتا ہے:

**کتب رسول اللہؐ الی اھل الیمن ان یؤخذمن اھل العسل العشور** (۱۷)

''آپؐ نے اہل یمن کے لیے (وہاں کے عاملوں کو) لکھا تھا کہ شہد کے چھتے والوں سے عشور وصول کیے جائیں۔''

اگر شہد عشری زمینوں میں پایا جائے تو اس پر عشر واجب ہوگا اور اگر یہ شہد خراجی زمینوں میں پایا جائے یا پہاڑوں، جنگلوں، باغوں وغیرہ میں ملے تو اس میں کچھ نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں وہ جنگلی پھل کی مانند ہوگا۔(۱۸)

امام حضرت ابو یوسفؒ کے نزدیک نصاب یہ ہے کہ قیمتاً پانچ وسق ہو اور حضرت امام ابوحنیفہؒ تو ہر قلیل و کثیر مقدار پر واجب قرار دیتے ہیں۔(۱۹)

## مویشیوں کی زکوٰۃ

جس طرح زمینی پیداوار پر زکوٰۃ یعنی عشر واجب ہے اسی طرح مسلمان جو مویشی پالتے ہیں تو ان پر بھی چند شرائط کے پائے جانے کے بعد زکوٰۃ واجب ہے۔

نمبر۱: پہلی شرط یہ ہے کہ جو جانور چرنے والے ہوں اور وہ سال کا بیشتر حصہ جنگل میں چرتے ہوں تاکہ محنت و مشقت کم اور نفع و نسل کشی زیادہ ہو۔ گھر پر بندھے ہوئے اور مول کا گھاس دانہ وغیرہ کھانے والے مویشیوں پر زکوٰۃ نہیں۔(۲۰)

یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کی رائے ہے۔ البتہ امام مالکؒ ہر قسم کے مویشیوں پر زکوٰۃ فرض قرار دیتے ہیں۔

نمبر۲: دوسری شرط یہ کہ ان جانوروں کو کسی خاص شخص کی ملکیت میں رہتے ہوئے پورا سال گزر جائے تاکہ اس دوران نسل پوری ہو جائے۔ اس کی بنیاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سال گزرنے سے پہلے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

نمبر۳: تیسری شرط یہ ہے کہ وہ جانور کھیتی باڑی میں کام نہ آتے ہوں کیونکہ کھیتی باڑی کی پیداوار پر جو عشر یا نصف عشر لاگو ہے اس میں کھیتی باڑی میں کام کرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ بھی شامل ہوتی ہے۔(۲۱)

## اموال فاضلہ:

مذکورہ مدّات کے علاوہ جو متفرق آمدنیاں بیت المال کی ملک قرار دی جائیں، ان سب کو ''اموالِ فاضلہ'' کہا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی مسلمان یا ذمی کا انتقال ہو جائے اور وہ لاوارث ہو تو اس کا مال بیت المال کا حق ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان العیاذ باللہ مرتد ہو کر دارالحرب کو فرار ہو جائے تو اس کا تمام مال ضبط ہو کر بیت المال کی ملکیت ہو جاتا ہے۔(۲۲)

## دیگر ذرائع آمدن:

### کفارہ

اسلام نے مختلف غیر مشروع کام کے انجام دینے پر کچھ مالی جرمانہ عائد کیا ہے جس کو " کفارہ" کہا جاتا ہے۔ مثلاً

قصداً نقضِ صوم یعنی جان بوجھ کر روزہ توڑنے کا کفارہ، حانث یعنی قسم توڑنے والے کا کفارہ، کفارہ ظہار، حالتِ احرام میں جنابت کرنے کا کفارہ ترمذی کی ایک روایت سے (۲۳) معلوم ہوتا ہے کہ جان بوجھ کر رمضان کے روزے کو توڑنا کھانا پینا یا جماع کر لینے سے کفارہ حسبِ ترتیب لازم ہوتا ہے۔ (i) غلام آزاد کرے (ii) یا لگاتار ساٹھ روزے رکھے (iii) اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔ ساٹھ روزوں کے کفارہ کا غلہ فی روزہ پونے دو سیر گیہوں کے حساب سے ادا کیا جائے یا اتنی مقدار کی قیمت دی جائے۔

ایک روزہ توڑنے کا کفارہ گیہوں کی صورت میں دو من پچیس سیر گیہوں ہے۔ ادائیگی کی صورت یہ ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو ایک دن میں دو سیر گیہوں دیے جائیں یا ایک مسکین کو ہر روز پونے دو سیر گیہوں دے دیا جائے ساٹھ دن تک دیتے رہیں۔ (۲۴)

## فدیہ

کسی شخص کو دائمی مرض لاحق ہو اور صحت کی کوئی امید نہ رہی ہو اور آخری دم تک روزہ رکھنے کی طاقت لوٹنے سے بالکل مایوس ہو چھوٹے اور ٹھنڈے ایام میں بھی روزے رکھنے کی طاقت نہیں تو ایک روزے کے عوض ۲ء۵۲ کلو گیہوں کی قیمت کسی مسکین کو دے دے۔ (۲۵)

## کفارہ یمین

یمین منعقدہ کو توڑنے پر قرآن پاک میں یہ کفارہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے درمیانی درجہ کا جو ہم خود کھاتے ہوں یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنائے جائیں یا ایک گردن غلام باندی آزاد کر دی جائے۔ اگر ان باتوں کی استطاعت نہ ہو تین دن کے روزے رکھے جائیں۔ (۲۶)

## ایلاء کا کفارہ:

شوہر جب چار مہینے تک بیوی سے ترک تعلق کی قسم کھالے تو اسے ''ایلاء'' کہتے ہیں اگر یہ قسم توڑ دے تو اس پر بھی کفارہ یمین ہے۔

## محرم کے شکار کا کفارہ

قرآن حکیم میں احرام کی حالت میں خشکی کا جانور شکار کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے، اگر کوئی کر لے تو اس پر کفارہ لاگو ہوتا ہے۔ (۲۷)

## صدقۃ الفطر

اس صدقہ کا مقصد معاشرے کے نادار افراد کی امداد ہے۔ اس کا نصاب یہ ہے کہ سونے، چاندی، مالِ تجارت اور گھر میں روزمرہ استعمال کی چیزوں سے زائد سامان کی قیمت لگا کر اس میں نقدی جمع کی جائے ان پانچوں کے مجموعے یا ان میں سے بعض ۴ء۹۷۸ گرام سونے یا ۵۳ء۲۱۶ گرام چاندی کے برابر ہو جائے تو صدقہ فطر واجب ہوتا ہے۔ تین جوڑے کپڑوں سے زائد لباس اور ریڈیو اور ٹی وی انسانی حاجات میں داخل نہیں ہیں۔ اس لیے ان کی قیمت بھی حساب میں لگائی جائے گی۔ (۲۸)

## صدقات نافلہ

اسلامی ریاست کے ذرائع آمدنی کی ایک مد صدقات نافلہ بھی ہے کیونکہ زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ بھی اسلام نے حاجتمندوں کی وقتی حاجت کے لیے انفرادی عطایا کو عمل خیر کہہ کر اس کے لیے ترغیب دی ہے اور دنیا و آخرت کے اجر و ثواب کو نعم البدل بتا کر قرآن عزیز اور احادیث نے اس کے متعلق جگہ جگہ خرچ پر آمادہ کیا ہے۔

## اوقاف

بیت المال کے ذرائع آمدنی اور انفاق فی سبیل اللہ کے اخلاقی وسائل میں سے ایک بہترین وسیلہ "وقف" بھی ہے۔ اس لیے اسلام کے معاشی نظام نے اس کے اجراء اور توسیع کے لیے بہت زیادہ ترغیب دی ہے اور صحابہ کرامؓ نے اس کا عملی مظاہرہ کر کے اس کو مستحکم اور مضبوط بنا دیا۔

## وصیت

وصیت بھی ایک حلال ذریعہ آمدنی ہے اس میں کوئی ایک شخص دوسرے شخص کا مال بغیر کسی محنت کے اور بلا کسی معاوضہ کے محض وصیت کی بنا پر جائز اور حلال طریقے سے پالیتا ہے۔(۲۹)

## میراث

میراث وہ مال و جائیداد ہے جو کسی کے مرنے پر خواہ شرعاً اس کے دونوں وارثوں پر تقسیم ہو یا وصیت کے ذریعے کسی اور کو ملے۔

اگر صحیح طور پر اس کو اختیار کیا جائے اور سوسائٹی میں اس کا روج عام ہو جائے تو نہ اس سے سرمایہ دارانہ دولت پیدا ہونے کا امکان باقی رہتا ہے اور نہ افراد و اشخاص کے درمیان افلاس و فاقہ مستی کو فروغ ہو سکتا ہے۔(۳۰)

## عاریت

کسی شخص کا اپنی ملکیت کے منافع کو بغیر معاوضے کے دوسرے کی ملک بنا دینا اسلامی نقطہ نظر سے "عاریت" کہلاتا ہے۔ اور اس کے جواز پر امت کا اجماع ہے۔

## ہبہ

اجتماعی معاشی نظام میں ''ھبہ'' بھی ایک مفید طریقہ کار ہے بشرط یہ کہ واھب کا مقصد نیک ہو اور حقوق اللہ (زکوٰۃ و صدقات) اور حقوق العباد (دوسرے انسانوں کے عائد شدہ حقوق) میں سے کسی کی حق تلفی پیش نظر نہ ہو، اس لیے اس کی افادیت کی شکل یہ ہے کہ ایک متمول شخص اگر اپنے ذاتی حقوق اور اجتماعی حقوق سے سبکدوش ہونے کے بعد فاضل مال پاتا ہے تو اس کے لیے یہ مناسب ہے کہ وہ اس فاضل پونجی کو حاجت مندوں کی حاجت میں صَرف کرے اور اس انفاق کی مختلف راہوں میں سے ایک راہ یہ ہے کہ وہ ''نقد'' یا ''مال'' کسی ضرورت مند کو ھبہ کر دے۔(۳۱)

## خلاصہ بحث:

اگر یہ تمام ذرائع آمدن عملی شکل میں نافذ کیے جائیں تو نہ صرف یہ کہ ریاست مضبوط اور مستحکم ہوگی بلکہ حلال ذرائع آمدن سے عوام الناس کو معاشی آسودگی حاصل کرنے کے مواقع بھی میسر آئیں گے۔

## مراجع وحواشی


(۱) عثمانی، محمد تقی، بینکوں سے زکوٰۃ وصول کرنے کا شرعی حکم، ص۳۱، ۴۱ کراچی، میمن اسلامک پبلشرز، س۔ن

(۲) کاسانی، الامام علاء الدین ابی بکر بن مسعود، البدائع الصنائع، ج۲ ص۵۳، کراچی، ایچ۔ایم سعید کمپنی

(۳) عثمانی، محمد تقی، ایضاً ص۴۱، ۵۱

(۴) ابن الہمام، کمال الدین محمد بن عبدالواحد، الفتح القدیر، ج۱ ص۴۸۷، قاہرہ، مطبعۃ الامیریۃ الکبری ۱۳۱۵ھ

(۵) جصاص، ابوبکر، احکام القرآن، ج۳ ص۱۵۵، قاہرہ، مطبعۃ السفلیۃ، ۱۳۲۵ھ

(۶) القرآن ۲:۲۶۷　(۷) جصاص، ابوبکر، ایضاً، ج۱ ص۵۴۳　(۸) القرآن ۶:۱۴۱

(۹) طبری، ابوجعفر محمد بن جریر، تفسیر طبری، ج۲۱ ص۱۶۱، ۱۵۸ مصر، مکتبۃ البابی الحلبی، س۔ن

(۱۰) البخاری، محمد بن اسمٰعیل، الصحیح البخاری، کتاب الزکاۃ باب فیما یسقی من السماء، ج۱ ص۱۰۲، کراچی، ایچ ایم سعید، س۔ن

(۱۱) عثمانی، محمد تقی، درس ترمذی، ج۲ ص۴۵۶، کراچی، مکتبہ دارالعلوم، ۱۴۱۵ء

(۱۲) غفاری نور محمد، اسلام کا قانونِ محاصل، ص۷۵، ۷۴ لاہور، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، ۱۹۸۹ء　(۱۳) ایضاً ص۷۵، ۷۴

(۱۴) ترمذی، امام ابوعیسی، الجامع الترمذی، باب ماجاء فی زکوٰۃ العسل، ج۱ ص۱۳۷، قدیمی کتب خانہ کراچی

(۱۵) ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینیۃ، سنن ابن ماجہ ص۱۳۱، کراچی، نور محمد کتب خانہ، س۔ن　(۱۶) ایضاً

(۱۷) عبدالرزاق، مصنف عبدالرزاق، کتاب الزکاۃ، ج۶ ص۳۴، مصر، مطبعۃ الازہر، س۔ن

(۱۸) شیخ نظام الدین، فتاویٰ عالمگیری، ج۱ ص۶۹۷، کوئٹہ مکتبہ رشیدیہ، س۔ن

(۱۹) امام ابویوسفؒ، کتاب الخراج، ص۷۰، قاہرہ، مکتبہ سلفیہ، ۱۳۸۲ھ

(۲۰) الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد، الاحکام السلطانیۃ، ص۱۱۱، قاہرہ، مطبعۃ الجمہوریۃ التجاریۃ، س۔ن

(۲۱) ابن سلام، ابوعبید قاسم بن سلام، کتاب الاموال (اردو) ص۲۸۳، ۱۸۳، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۸۹ء

(۲۲) سیوھاروی، حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، ص۱۵۴، لاہور، مکتبۃ لاہور، س۔ن　(۲۳) ترمذی، ایضاً، ج۱ ص۱۵۴

(۲۴) محمد کفایت اللہ، مفتی، کفایت المفتی، ج۴ ص۲۲۹، ملتان، مکتبہ حقانیہ، س۔ن

(۲۵) رشید احمد، مفتی، احسن الفتاویٰ، ج۵ ص۷۴۷، کراچی، ایچ۔ایم سعید کمپنی، ۱۴۱۲ھ　(۲۶) القرآن ۵:۹۸

(۲۷) القرآن ۵:۵۹　(۲۸) رشید احمد، مفتی، ایضاً، ج۴ ص۳۷۳

(۲۹) محمد طاسین، مولانا، اسلام کی عادلانہ اقتصادی تعلیمات، ص۲۰۳، کراچی، مجلس علمی فاؤنڈیشن، ۱۹۹۱ء

(۳۰) ایضاً ص۳۱۴　(۳۱) سیوھاروی، حفظ الرحمٰن، ایضاً ص۳۲۳

# اسلام میں عدلِ اجتماعی کا تصور

شہزاد چنا*

**ABSTRACT:**

*Qur'aan, the sacred scripture of Islam, considers justice to be a supreme virtue. It is a basic objective of Islam to the degree that it stands next in order of priority to belief in Allah's (SWT) exclusive right to worship (Tawheed) and the truth of Muhammad's prophethood. Allah (SWT) declares in the Qur'aan:*
*"Allah commands justice and fairness ...." (Quran 16:90)*
*And in another passage: "Let not the hatred of others make you to the wrong and depart from justice, be just, that is to piety...." (Quran 5:8)*
*Therefore, one may conclude that justice is an obligation of Islam and injustice is forbidden. The centrality of justice to the Qur'anic system is displayed by the following verse:*
*"We sent Our Messengers with clear signs and sent down with them the Book and the Measure in order to establish justice among the people…" (Quran 57:25)*
*The phrase 'Our Messengers' shows that justice has been the goal of all revelation and scriptures sent to humanity. The verse also shows that justice must be measured and implemented by the standards and guidelines set by revelation. Islam's approach to justice is comprehensive and all-embracing. Any path that leads to justice is deemed to be in harmony with Islamic Law. Allah has demanded justice and, although He has not prescribed a specific route, has provided general guidelines, on how to achieve it. He has neither prescribed a fixed means by which it can be obtained, nor has He declared invalid any particular means or methods that can lead to justice. Therefore, all means, procedures, and methods that facilitate, refine, and advance the cause of justice, and do not violate the Islamic Law are valid. This article attempts to present a study of life of Muhammad Sallah-e-alayehe wassalam on the topic of justice.*

جن اخلاقی اور معاشرتی امور پر اسلام نے سب سے زیادہ زور دیا ہے ان میں سے ایک عدل بھی ہے۔اس عدل وانصاف پر دنیا کا نظام قائم ہے جس قوم اور جس معاشرے میں عدل وانصاف نہ ہو وہ رحمت خداوندی سے محروم رہے گا اور دنیا میں بھی ذلت ورسوائی اس کا مقدر ہے۔قرآن پاک کتاب ونبوت کا مقصد ہی یہ بتاتا ہے کہ لوگوں کے درمیان میزان قائم ہو اور میزان سے مراد عدل وانصاف ہی کے قوانین ہیں۔عدل سب سے پہلے خود اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں سے ایک عادل (عدل والا)، بھی ہے گویا بندوں میں جو عدل کی صفت پائی جاتی ہے وہ عدل خداوندی ہی کا پرتو ہے۔حقیقت یہ ہے کہ عدل کسی بھی معاشرہ میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے، عدل انفرادی ہو یا اجتماعی، جو معاشرہ اس سے صرف نظر کرتا ہے اس کی شکست وریخت نوشتہ دیوار بن جاتی ہے۔

* ڈاکٹر، ریسرچ انویسٹی گیٹر، ریجنل دعوۃ سینٹر (سندھ) کراچی، دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
برقی پتا: shahzadchanna@yahoo.com　تاریخ موصولہ: ۲۵ فروری ۲۰۱۲ء

## معنی ومفہوم:

عدل کے لفظی معنی ہیں کسی چیز کو دو برابر حصوں میں بانٹنا۔مراد یہ ہے کہ جو بات ہم کہیں یا جو کام کریں اس میں سچائی کی میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے اور وہی بات کہی جائے اور وہی کام کیا جائے جو سچائی کی کسوٹی پر پورا اترے۔پس اسلامی اخلاق کی رو سے عدل وانصاف کا معنی ہے ہر شخص کے ساتھ بلا رورعایت وہ معاملہ کرنا جس کا وہ دراصل حق دار ہے۔کیوں کہ عدل کے معنی ہیں کسی چیز کو اس کے صحیح موقع محل میں رکھنا۔اس کی ضد ظلم کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو غلط جگہ پر رکھنا جو اس کے لیے مناسب نہ ہو۔

علاوہ ازیں سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مصنف لکھتے ہیں:''کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح بانٹ دیا جائے کہ ان دو میں سے کسی میں ذرا برابر بھی کمی یا بیشی نہ ہو تو اس کو عربی میں''عدل'' کہتے ہیں۔اور اس سے وہ معنی پیدا ہوتے ہیں جن میں ہم اس لفظ کو اپنی زبان میں بولتے ہیں،یعنی جو بات ہم کہیں یا کام کریں اس میں سچائی کی میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے اور وہی بات کہی اور وہی کام کیا جائے جو سچائی کی کسوٹی پر پورا اترے۔(۱)

جب کہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق: یہ کسی فرد واحد کی کیفیت عدالت تک محدود نہیں بلکہ اجتماعی حالت انصاف بھی اس میں شامل ہوگئی ہے۔''(۲)

عدل دراصل سچائی اور راست بازی ہی کی ایک شکل ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ بلا رورعایت وہ معاملہ کیا جائے اور اس کے بارے میں خدا لگتی بات کہی جائے جس کا وہ مستحق ہے۔

## عدل کا ہمہ گیر اجتماعی تصور:

اسلامی تعلیمات میں ہمیں''عدل'' کے ساتھ ساتھ''احسان'' کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔قرآن مجید میں عدل کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ارشاد گرامی ہے:

**ان اللہ یامر بالعدل والاحسان....(۳)**

''اللہ عدل واحسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔''

درج بالا آیت کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں عدل کا ہمہ گیر اجتماعی تصور دیا ہے،جس میں انسانی معاشرے کی فلاح وبہبود اور مساویانہ حقوق کی تشریح ملتی ہے۔مفتی محمد شفیع اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''یہ آیت قرآن کریم کی جامع ترین آیت ہے،جس میں پوری اسلامی تعلیمات کو چند الفاظ میں سمو دیا گیا ہے،اس لیے سلف صالحین کے عہد مبارک سے آج تک دستور چلا آرہا ہے کہ جمعہ وعیدین کے خطبوں کے آخر میں یہ آیت تلاوت کی جاتی ہے''۔آپ مزید لکھتے ہیں کہ:''عدل اپنے

نفس اور تمام مخلوقات کے درمیان ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا معاملہ کرے، اور کسی ادنیٰ یا اعلیٰ معاملہ میں کسی سے خیانت نہ کرے، سب لوگوں کے لیے اپنے نفس سے انصاف کا مطالبہ کرے، کسی انسان کو اس کے کسی قول وفعل سے ظاہراً یا باطناً کوئی ایذا رسانی اور تکلیف نہ پہونچے۔''(۴)

چنانچہ علامہ شبلی نعمانی وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

''عدل اور 'احسان' کے صحیح مفہوم کے سمجھنے کے لیے تھوڑی تفصیل کی ضرورت ہے۔ قانون کی بنیاد درحقیقت ''عدل'' پر ہے۔ عدل کے معنی ''برابر'' کے ہیں، جو شخص کسی کے ساتھ برائی کرے اس کے ساتھ اتنی ہی برائی کی جائے، یہ عدل ہے اور اس کو چھوڑ دینا اور معاف کر دینا اور درگزر کرنا یہ احسان ہے۔ اسلام میں ان دونوں کے الگ الگ مراتب ہیں، قانون عدل کو جماعت اور سلطنت کے ہاتھ میں اس نے دیا ہے یہ کسی ایک شخص کا کام نہیں ہے، اور احسان ہر شخص کے ہاتھ میں ہے اور یہ محض شخصی معاملہ ہے، قانون عدل ہی پر جماعت اور حکومت کا نظام قائم ہے، اگر اس کو مٹا دیا جائے تو جماعت اور حکومت کا شیرازہ بکھر جائے، اور کسی کی جان و مال و آبرو سلامت نہ رہے۔''(۵)

جب کہ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اسی حوالے معاشرے کی اصلاح اور فلاح کی بنیاد ''عدل'' پر رکھتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں:

''اس مختصر فقرے میں جن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے جس پر پورے انسانی معاشرے کی درستی کا انحصار ہے۔ جن میں پہلی چیز عدل ہے، جس کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم ہو۔ دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے۔ اردو زبان میں اس مفہوم کو ''انصاف'' سے ادا کیا جاتا ہے۔ مگر یہ لفظ غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے۔ اس سے خواہ مخواہ یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان حقوق کی تقسیم نصف نصف کی بنیاد پر ہو۔ اور پھر اسی سے عدل کے معنی مساویانہ تقسیم حقوق کے سمجھ لیے گیے ہیں جو سراسر فطرت کے خلاف ہے۔ دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے نہ کہ برابری۔ بعض حیثیتوں سے مساوات بالکل خلاف عدل ہے، مثلاً والدین اولاد کے درمیان معاشرتی واخلاقی مساوات اور اعلیٰ درجے کی خدمات انجام دینے والوں اور کم تر درجے کی خدمت ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کی مساوات۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ حقوق میں مساوات نہیں بلکہ توازن وتناسب ہے، اور اس حکم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، قانونی اور سیاسی وتمدنی حقوق پوری ایمان داری کے ساتھ ادا کیے جائیں۔''(۶)

سید قطبؒ نے عدل اجتماعی کے ہمہ گیر تصور کی خصوصیت ان لفظوں میں بیان کی ہے:

''اجتماعی عدل کے اسلامی تصور کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محدود معنی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے۔ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرے میں داخل ہیں۔ وہ فکر اور عمل، ضمیر اور وجدان سب پر چھایا ہوا ہے۔ اس کا انحصار معاشی قدروں پر نہیں۔ وہ وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے ساری مادی قدروں تک محدود نہیں۔ وہ مادی، معنوی اور روحانی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوش گوار امتزاج کا نام ہے۔''(۷)

## قیام عدل کے لیے رسولوں کا مبعوث ہونا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

**لقد ارسلنا رسلنا بالبینت وانزلنا معھم الکتب والمیزان لیقوم الناس بالقسط**(۸)

''ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ انسان، انصاف پر قائم ہو۔''

درج بالا آیت میں ہدایت کی گئی ہے کہ انسانی معاشرہ کی کامیابی و کامرانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اور پیغمبر مبعوث فرمائے، جن کی تعلیمات سے عدل کے قیام کے ساتھ ساتھ انصاف پر مبنی معاشرہ وجود میں آیا۔ صاحب تفہیم القرآن اس آیت کی بڑی جامع تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ عدل ہی اسلام کا مقصود ہے اور اسلام آیا ہی اس لیے ہے کہ عدل قائم کرے۔ اگر ایک مسلمان غافل نہ ہو تو وہ کبھی عدالت اجتماعیہ کی تلاش میں اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ کر کسی دوسرے ماخذ کی طرف توجہ کرنے کی غلطی نہیں کرسکتا۔ جس لمحے اسے عدل کی ضرورت کا احساس ہوگا اسی لمحے اسے معلوم ہو جائے گا کہ عدل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کے پاس نہ ہے، اور نہ ہوسکتا ہے اور وہ بھی جان لے گا کہ عدل قائم کرنے کے لیے اس کے سوا کچھ کرنا نہیں ہے کہ اسلام، پورا کا پورا اسلام، بلاکم وکاست اسلام، قائم کر دیا جائے، اسلام الگ کسی چیز کا نام نہیں ہے۔ اسلام خود عدل ہے۔ اس کا قائم ہونا اور عدل کا قائم ہو جانا ایک ہی چیز ہے۔''(۹)

## عدل اجتماعی کا قیام:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور آپؐ کے خلفائے راشدین کے طرز حکومت پر نگاہ ڈالیں گے تو بے لاگ عدل ہی ان حکومتوں کا بنیادی رکن نظر آتا ہے۔ عدل جو اپنے بیگانہ، مسلم و غیر مسلم، عربی یا عجمی، امیر اور غریب سب کے لیے یکساں اور بلا امتیاز تھا۔ اس کی واضح مثال ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ مبارک میں ملتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے:

''اسامہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عورت کے بارے میں سفارش کی تو آپؐ نے فرمایا: تم میں سے جو پہلی امتیں گزری ہیں وہ اس لیے تباہ ہوئیں کہ وہ کم درجے کے لوگوں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے۔ اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر فاطمہ (بنت محمد) بھی ایسا کرتیں تو میں اس کا ہاتھ ضرور کاٹتا۔''(۱۰)

اس حدیث سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ بنیادی طور پر اسلامی ریاست ہی اجتماعی عدل کے قیام کی بہترین صورت ہے۔ مسلمان معاشرے اس لیے فساد کا شکار ہو گئے کہ ان کی ریاستیں عدل اجتماعی کے قیام کو نظر انداز کر رہی ہیں۔ اسلامی ریاست میں قانون کی حکمرانی نہ ہو تو اسلامی ریاست کہلانے کی مستحق نہیں ہے اور ریاستی نقطہ نظر سے ریاست کا سب سے اہم فرض یہی ہے کہ وہ اجتماعی عدل قائم کرے۔

اگرچہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمیں عدل اجتماعی کے مختلف پہلوؤں کا درس ملتا ہے، جس سے معاشرے کی بھلائی اور انسانوں کی حقیقی کامیابی نمایاں نظر آتی ہے، مگر ہم ذیل میں چند اہم پہلوؤں کی نشاندہی کی کوشش کریں گے۔

## معاشرتی عدل:

عدل اجتماعی کے ضمن میں سب سے پہلا مقام معاشرتی عدل کا ہے۔ مساوات اور احترام آدمیت اسلامی معاشرے کا وہ امتیاز ہے جس کی نظیر تاریخ میں کوئی اور مذہب یا تمدن پیش نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع میں انسانی حقوق کا چارٹر عطا کیا گیا اس میں فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ کو قرار دیا گیا اور فرمایا گیا:

ان اکرمکم عنداللہ اتقکم. (۱۱)

''اللہ کے نزدیک تم میں عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ مساوات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے داعی اسلامی معاشرہ و ریاست کو ذات پات، قبیلہ کے لاحقوں اور تفاخر کی نمائش کی قطعی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے۔ کیوں کہ انہیں پہچان کے لیے نہیں تفاخر کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم چارٹر (خطبۃ حجۃ الوداع) کی پیروی میں ہر طبقہ کے قائدین کا اسلامی فریضہ ہے کہ وہ زبان، علاقائیت اور فرقہ واریت جیسے تمام تعصّبات کے خلاف جہاد کے لیے کمربستہ ہو جائیں۔ اجتماعی عدل کا بنیادی تقاضا ہے کہ کسبِ معاش، تعلیم، علاج، حصول انصاف وغیرہ کے مواقع ریاست کی طرف سے ہر شہری کو یکساں طور پر مہیا کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ یہی تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا اور بنیادی نکتہ ہے۔

## معاشی عدل:

معاشی عدل اجتماعی عدل کا سب سے اہم اور بنیادی حصہ ہے۔ معاشی ناہمواریوں کا سدباب اور معاشرے کے ہر فرد

کی بنیادی انسانی ضروریات کی فراہمی اسلامی حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہے۔معاشی ناانصافی طرح طرح کی عصبیتوں کو جنم دیتی ہے،اخلاقی بے راہ روی پیدا کرتی اور امن عامہ کے لیے خطرات اور فساد کے راستے کھولتی ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ ہر شہری کو صلاحیت واستعداد کے مطابق یکساں روزگار کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ارتکاز دولت کے سدباب کے لیے زکوٰۃ وعشر اور عدل وانصاف پر مبنی ٹیکسوں کا موثر نظام رائج کیا جائے۔اس ضمن میں کسی طبقے (تاجر،صنعت کار،زراعت پیشہ یا ملازمت پیشہ) یا کسی فرقے کے ساتھ کوئی امتیاز یا استثنانہ برتا جائے۔قرآن مجید میں اس سلسلے میں واضح ارشاد ملتا ہے:

**واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل. ان اللہ نعما یعظکم بہ.** (۱۲)

''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو،اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے۔''

اور دوسری جگہ ارشاد ہوا:

**وان حکمت فاحکم بینھم بالقسط. ان اللہ یحب المقسطین.** (۱۳)

''اور اگر تو فیصلہ کرے تو ان کے درمیان انصاف سے کر۔بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

اس موقع پر ہم خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت سے ایک اقتباس پیش کریں گے،جس میں عدلِ اجتماعی کا ایک بے نظیر واقعہ سامنے آتا ہے:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرتبہ کہیں سے مال آیا۔آپ وہ مال لوگوں کے درمیان تقسیم کر رہے تھے۔لوگوں نے آپ کے گرد ہجوم کی صورت اختیار کر لی۔حضرت سعد بن ابی وقاصؓ لوگوں کو ادھر ادھر دھکیلتے ہوئے حضرت عمرؓ تک جا پہنچے۔حضرت عمرؓ نے اپنا درہ لہرایا اور حضرت سعدؓ کو ڈانٹتے ہوئے کہا''تم لوگوں کو پیچھے ہٹا کر خود آگے بڑھ آئے ہو۔زمین پر سلطان اللہ (خلافت) کے آداب کا پاس بھی تم نے نہیں رکھا۔میں چاہتا ہوں کہ تمہیں سبق سکھاؤں اور بتلاؤں کہ سلطان اللہ تم سے مرعوب نہیں ہو سکتا۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔آپ کا مقام ومرتبہ اسلامی معاشرہ میں مسلم تھا۔حضرت عمرؓ ان سے محبت کرتے تھے اور ان کی قدر افزائی بھی فرماتے تھے مگر آپ مربی تھے۔آپ نے محسوس کیا کہ اپنی قدر ومنزلت کی وجہ سے حضرت سعدؓ نے دوسروں کو پیچھے دھکیل کر ان کے حقوق پر دست رازی کی ہے۔اس طرح تو شرفا کمزوروں کی حق تلفی کرنے لگیں گے اور ضعفا مایوسی کا شکار ہو جائیں گے۔راعی اور رعیت کے درمیان تعلق اسی صورت میں مستقیم رہ سکتا ہے جب کہ سارے لوگوں کو ایک ہی نظر سے دیکھا جائے۔''(۱۴)

حقیقت یہ ہے کہ ایک مثالی معاشرے کی روح عدل ومساوات ہوتے ہیں۔نوع انسانی کی پوری تاریخ میں کوئی فرمانروا اپنے ہم مذہبوں اور دوسروں سے فاروق اعظم کی سی رواداری، انسانیت نوازی، عدل اور مساوات کا ثبوت نہیں دے سکا۔علاوہ ازیں عہد فاروقی کے انتظامی ڈھانچے کی اصل روح رعایا کے ساتھ عدل ومساوات برتنے اس کی فلاح وبہبود کے لیے ہر ممکن کوشش کرنے اور شرف انسانی کو بحال کرنے میں مضمر تھی۔

## عدالتی عدل:

عدل اجتماعی کے حوالے سے عدالتی عدل کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔عدالتی عدل کے ضمن میں قرآن مجید کا یہ فرمان ہمارا راہ نما اصول ہونا چاہیے:

**ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ.** (۱۵)

''اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو یہی قرین تقویٰ ہے یعنی یہی تقویٰ کا تقاضا ہے۔''

کسی قسم کا کوئی نسبی، لسانی، معاشی یا سیاسی تعلق عدل وانصاف کی راہ میں حائل نہیں ہونا چاہیے۔ایک قریشی عورت پر چوری کی حد کے بارے میں حضرت اسامہ بن زیدؓ کی سفارش پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی جو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں نفاذ عدل ومساوات کی درخشندہ مثال ہی نہیں بلکہ معاشرے کے لیے ایک عملی نمونہ ہے۔

عدالتی نظام کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ عدالتوں کی بہت ساری درجہ بندیاں ختم کر کے عدالتی نظام کی اس طرح ازسرنو تنظیم کی جائے کہ مقدمہ بازی کا طویل اور لامتناہی سلسلہ ختم اور حتمی انصاف جلد اور سستا ملنے کا معقول اہتمام یقینی بنایا جائے، یہی اجتماعی عدل کا تقاضا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے عدالتی کاروبار کے ہر پہلو میں عدل وانصاف کا لحاظ رکھا رکھا ہے۔یہی وجہ ہے کہ تحریری دستاویز کے متعلق حکم ہے کہ:

**ولیکتب بینکم کاتب بالعدل.** (۱۶)

''اور (تمہارے باہمی قرارداد کو) کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھ دے۔''

چنانچہ شہادت یا فیصلہ کے وقت دو حالتوں میں اکثر لوگوں کا ایمان ڈگمگا جاتا ہے۔ایک تو یہ کہ فریق مقدمہ اپنا قرابت دار ہو یا اس کے گواہ یا حاکم کو عداوت ہو، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اور تعلیمات اس حالت میں بھی عدل وانصاف سے تجاوز کرنے کو جائز نہیں رکھتی۔

## تعلیمی عدل:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پہلے **طلب العلم فریضة علی کل مسلم** فرما کر حصول علم کو ہر مسلمان کا حق ہی نہیں بلکہ فریضہ قرار دے دیا۔مگر افسوس اور ندامت کا مقام یہ ہے کہ علم کے میدان میں امامت کا منصب تو ہم کھو بیٹھے

تھے، اب خواندگی جیسے ابتدائی تعلیمی مرحلہ میں بھی ہم بہت پسماندہ ہیں اور اس کی بنیادی وجہ تعلیم کے حصول میں عدل ومساوات کا نہ ہونا ہے۔ معیاری تعلیمی سہولتیں معاشرے کے ہر فرد تک یکساں فراہم نہ ہونے کی وجہ سے ہم علم کے میدان میں دوسری قوموں سے بہت پیچھے ہیں، جب کہ سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو ہمیں علم حاصل کرنے کی رہنمائی ملتی ہے۔

قرآن مجید میں بھی ہمیں علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، فرمایا گیا:

**اقرا باسم ربک الذی خلق. خلق الانسان من علق. اقرا وربک الاکرم. الذی علم بالقلم. علم الانسان ما لم یعلم.** (۱۷)

''پڑھو (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب کے نام ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی، پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔''

گو کہ علم کے حصول کے لیے قرآن مجید کے واضح احکامات کے ساتھ ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ عبادات، معاملات، معیشت، معاشرت، تعلیم، تربیت، سیاست، اخلاق، انفرادی یا اجتماعی زندگی، غرض کہ ہر پہلو کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ بہترین نمونہ ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ عدل اجتماعی کے ضمن میں تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر لوگوں کے لیے علم کے حصول کے لیے یکساں اور مساوی مواقع پیدا کیے جائیں۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل کی چند جھلکیاں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کے مظہر تھے۔ کون نہیں جانتا کہ جزیرۃ العرب کی فتح کے ساتھ لوگوں کے معاملات عدل وانصاف کے ساتھ طے کرنے کی ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپڑی تھی۔ آپؐ اذیت ومصائب اور تصادم کے جن مراحل سے گزرے تھے اس کا فطری تقاضا تو یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منتقم ہوتے، مخالفین کو حد سے بڑھ کر سزا دیتے اور دوستوں اور دشمنوں کے درمیان پیدا ہونے والے مسائل میں ہمیشہ دوستوں کا ساتھ دیتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق نے عدل وانصاف کی شاندار مثالیں قائم کی ہیں۔

کتب سیرت وحدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات کی جو تفصیلات موجود ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی عدل کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا۔ جہاں تک اپنی ذات کا تعلق ہے تو اس کے لیے وہ روایت کافی ہے جسے ابن ہشام نے نقل کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں عام لوگوں کے درمیان اعلان کیا کہ میرے ذمہ کسی کا قرض ہو یا میں نے کسی کی جان ومال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان ومال وآبرو حاضر ہے۔ اسی دنیا میں وہ انتقام لے لے۔ مجمع میں سناٹا تھا۔ صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا جو اسے دلوائے گئے۔ (۱۸)